عظمتِ علم وفہمِ دین پر گفتگو کرتا ایک بصیرت انگیز رسالہ

علم و دین

مادی نظریات اور مقاصدِ شریعت کا فکری موازنہ



مُفتی عبدالرحمٰن منیر حفظہ اللہ

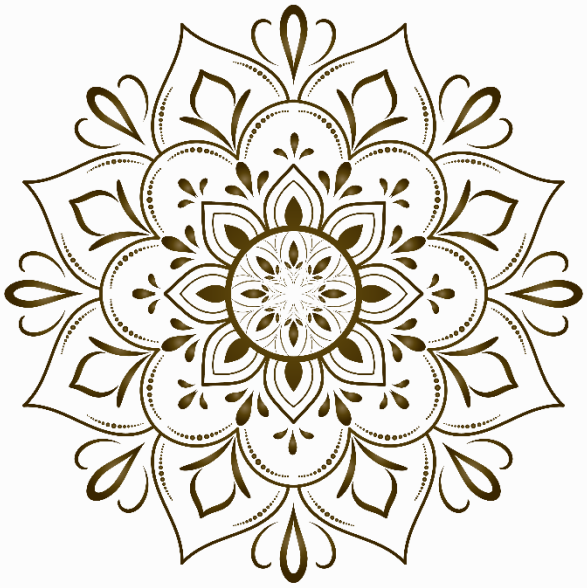
أستاذ الحدیث جامعہ یحییٰ مدنی و جامعہ أویس قرنی

خطیب جامع مسجد شرف آباد، بہادر آباد

عظمتِ علم وفہمِ دین پر گفتگو کرتا ایک بصیرت انگیز رسالہ

علم و دین

عظمتِ علم وفہمِ دین، مادی نظریات اور مقاصدِ شریعت کا فکری موازنہ



مفتی عبدالرحمٰن منیر حفظہ اللہ

أستاذ الحدیث جامعہ یحییٰ مدنی و جامعہ أویس قرنی

خطیب جامع مسجد شرف آباد، بہادر آباد

فہرستِ عنوانات

خطبہ مسنونہ 5

تراجم ومفاہیم 6

حرفِ آغاز 7

پہلی وحی اور کائنات کا عظیم ترین سچ 9

شریعت کا نقطۂ آغاز اور فہمِ دین 10

تخلیقِ انسانی اور فضیلتِ علم 12

فرشتوں پر آدم کی علمی برتری 13

مادی علوم کا سراب 15

وحیِ الٰہی کا نورِ مبین 16

وسعتِ مکاں اور ضیقِ قلب 19

تسکینِ قلوب اور الٰہی نسخۂ کیمیا 20

مادی معالجہ اور روحانی شفا 22

مادی حساب بمقابلہ الٰہی حساب 23

حقیقی قوت اور شجاعت کا نبوی معیار 24

حقیقی علم اور مادی فنون 27

فرشتوں کے پر اور نوری اعزاز 29

طلبِ علم اور موتِ شہادت 31

شاہراہِ شہادت اور طالبِ علمی کی نیت 32

دنیا کی بے وقعتی اور عطا کا الٰہی معیار 33

مقصودِ حقیقی اور طفیلی فوائد 35

سہولتِ فہم اور عصرِ حاضر کا موقع ..... **Error! Bookmark not defined.**

خطبہ مسنونہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰى-

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ:

{أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ} [الزمر: 9]

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ-

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي، وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلٰى أَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ" [رواه البخارى]-

صَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ-

تراجم ومفاہیم

ترجمہ آیت: "بھلا جو شخص رات کی گھڑیوں میں سجدے میں اور کھڑے ہو کر اطاعت کرتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہو (کیا وہ اس شخص جیسا ہے جو غافل یا نافرمان ہو)؟ کہہ دو کہ: کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے، برابر ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔"

(سورۃ الزمر، آیت:۹)

ترجمہ حدیث: "اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی (اور خیر) کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ بوجھ (فقہ) عطا کر دیتا ہے۔ اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، جبکہ عطا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم (دین) پر قائم رہے گی، اور جو بھی ان کی مخالفت کرے گا وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے۔"

(صحیح البخاري / کتاب العلم / حدیث:71)

حرفِ آغاز

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نوعِ انسانی کو خلافتِ ارضی کا جو تاج پہنایا اور فرشتوں پر جو فوقیت عطا فرمائی، اس کا بنیادی معیار کوئی مادی قوت یا کثرتِ عبادات نہیں بلکہ صرف اور صرف "علم" تھا۔ غارِ حرا کی تنہائیوں میں نزولِ وحی کا پہلا کلمہ "اقْرَأْ" (پڑھیے!) نازل فرما کر پروردگارِ عالم نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ دینِ اسلام کی پوری عمارت، فہمِ شریعت اور معرفتِ الٰہی کی بنیاد علمِ نافع پر قائم ہے۔

اس فکر انگیز تحریری مسودے میں میری بنیادی کوشش یہی رہی ہے کہ میں علم وحی کی حقیقی قدر و قیمت اور اس کے عملی اثرات کو عام فہم اور دل نشین انداز میں پیش کر سکوں۔ آج کے اس مادی دور میں، جہاں ظاہری علوم و فنون اور اسباب کو ہی سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے، وہاں یہ سمجھنا انتہائی ناگزیر ہے کہ مادی علوم انسان کو دنیوی سہولیات تو دے سکتے ہیں، مگر دل کا حقیقی سکون، اخلاقی پاکیزگی اور زندگی کا سچا سلیقہ صرف قرآن و سنت کی روشنی ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

اس گفتگو میں میں نے اس نکتۂ نظر کو اجاگر کیا ہے کہ ہمارے معاشی، نفسیاتی اور گھریلو

مسائل کا اصل حل صرف دنیاوی تدبیروں میں ڈھونڈنا کارِ عبث ہے جب تک کہ بارگاہِ الٰہی میں رجوع اور فہمِ دین کی طرف رجوع نہ ہو۔ اللہ کی راہ میں دیے جانے والے مال کی باطنی برکت ہو، غصے پر قابو پانے کی حقیقی شجاعت ہو، یا بیماریوں میں صدقے اور دعا کا روحانی معالجہ، ان تمام حقائق کا ادراک صرف علمِ وحی کی بدولت ہی ممکن ہے۔

علمِ دین حاصل کرنا کسی خاص طبقے تک محدود ہے نہ ہی یہ کوئی کٹھن اور دشوار گزار سفر ہے۔ آج ہمارے اردگرد اور مقامی مساجد میں فہمِ قرآن و حدیث کے نہایت آسان اور سہل مواقع میسر ہیں۔ اگر ہم اپنی روزمرہ کی مصروفیات میں سے کچھ مختصر وقت نکال کر اپنے اندر ایک دائمی 'طالبِ علم' کی نیت زندہ کر لیں، تو ہم اپنی عام زندگی بسر کرتے ہوئے بھی فرشتوں کی پروں پر تعظیم اور شہادت کے عظیم مراتب کی بشارتوں کے مستحق بن سکتے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوں کہ وہ اس عاجزانہ تذکیر کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے، اسے پڑھنے والوں کے لیے ہدایت و بصیرت کا ذریعہ بنائے، اور ہم سب کو آخری سانس تک دین کے فہم اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مفتی عبد الرحمن منیر

عظمتِ علم و فہمِ دین

پہلی وحی اور کائنات کا عظیم ترین سچ

علم کی فضیلت اور اس کی رفعتِ شان کے لیے یہی بات کافی ہے کہ خالقِ کائنات نے انسانِ خاکی کو خلافتِ ارضی کا تاج علم ہی کی بنیاد پر پہنایا۔ قرآنِ مجید، جو انسانیت کی ہدایت کا آخری اور ابدی نسخہ ہے، اپنے دامن میں علوم و معارف کا ایک بحرِ بیکراں سمیٹے ہوئے ہے۔ اس مقدس کتاب میں کم و بیش ستتر ہزار آٹھ سو پینتالیس (77,845) الفاظ ہیں۔ ان ہزاروں کلمات اور بے شمار احکام میں سے سب سے پہلا کلمہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اطہر پر وحیِ الٰہی کی صورت میں نازل ہوا، وہ علم اور پڑھنے سے متعلق تھا۔

غارِ حرا کی تنہائیوں میں جب جبرائیلِ امین علیہ السلام پہلی وحی لے کر نازل ہوئے، تو انہوں نے کائنات کے سب سے بڑے سچ کی ابتدا لفظِ "اِقْرَأْ" (پڑھیے!) سے فرمائی۔ یہ پہلا پیغام وہ نورِ مبین تھا جو لوحِ محفوظ سے اتر کر ارض و سما کو روشن کرنے آیا تھا۔ اس کا

مقصود انسانی نفوس کا تزکیہ کرنا اور انسانی ارواح کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر معرفتِ الٰہی کے اجالوں کی طرف لانا تھا۔ یہ نور سینہ بہ سینہ منتقل ہو کر دلوں کو منور کرنے والا پیغامِ حیات تھا۔

اس حقیقت پر غور کیجیے کہ قرآنِ مجید کے ان ہزاروں کلمات میں وحیِ ربانی کا آغاز شریعت کے عظیم الشان رکن یعنی نماز کے حکم سے بھی ہو سکتا تھا۔ نماز جو دین کا ستون، قربِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ اور شریعت کا لازمی حصہ ہے، آغازِ وحی کے لیے موزوں ترین موضوع ہو سکتی تھی۔ اسی طرح قرآنِ مجید کی اساس توحید، عبادات، حج اور زکوٰۃ پر قائم ہے۔ لیکن مصلحتِ خداوندی دیکھیے کہ ان سب اہم ترین امور کو مؤخر کر کے نزولِ وحی کا پہلا لفظ تعلیم و تدریس اور علم کی اہمیت کے باب سے چنا گیا۔

شریعت کا نقطۂ آغاز اور فہمِ دین

اس ربطِ وحی سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی عمارت جس اساس پر کھڑی ہے، اس کا پہلا پتھر "علم" ہے۔ بغیر علم کے نہ توحید کا سچا ادراک ممکن ہے اور نہ ہی عبادات کی روح حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک انسان علم کی روشنی سے بہرہ ور نہ ہو، وہ

شریعت کے احکام پر کماحقہ عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ یہی علم کا مبارک اور پاکیزہ سلسلہ ہے جو قرونِ اولیٰ سے لے کر اب تک سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس علمی وراثت نے نہ صرف امتِ مسلمہ کی علمی و فکری تعمیر کی بلکہ اسلامی تہذیب کو دنیا کی سب سے ممتاز اور درخشاں تہذیب بنا دیا۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ "جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی گہری سمجھ (تفقّہ) عطا کر دیتا ہے"، اس بات کی بین دلیل ہے کہ حقیقی خیر اور فلاح صرف دنیاوی مال و دولت یا جاہ و حشم میں نہیں، بلکہ دینِ متین کے فہم اور اس پر عمل میں پوشیدہ ہے۔ ائمہِ لغت اور محدثین (جیسے امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ) کے مطابق، "تفقہ" سے مراد دین کے اسرار و رموز، حلال و حرام کی تمیز اور شریعت کے مقاصد کو گہرائی سے سمجھنا ہے۔ فہمِ دین ہی وہ واحد راستہ ہے جو انسان کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھتا ہے اور یہی علم قرآنِ مجید کے حقیقی مقاصد یعنی انسانیت کی رہنمائی اور اللہ کی رضا کا حصول، تک پہنچنے کا واحد اور ناگزیر ذریعہ ہے۔

تخلیقِ انسانی اور فضیلتِ علم

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد نفوسِ انسانی کا تزکیہ، کتابِ الٰہی کی تعلیم اور فہمِ دین کی ترویج رہا ہے۔ اللہ رب العزت نے کائناتِ انسانی کی رشد و ہدایت کے لیے جو بھی کتابیں نازل فرمائیں، ان کا مقصد انسانوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر معرفتِ ربانی کے اجالوں سے منور کرنا تھا۔ اس پورے علمی سفر کا نقطۂ آغاز اور پہلی اینٹ وہ مبارک وحی ہے جس کا آغاز لفظِ {اقْرَأْ} سے ہوا۔ یہ اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ دینِ اسلام کا پورا ڈھانچہ، اس کی اساس اور اس کی عمارت علم و تعلیم کے ستونوں پر کھڑی ہے۔

اگر ہم کائنات کی تخلیق اور تاریخِ انسانی کے پس منظر پر نظر ڈالیں، تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ انسان کی تخلیق سے بھی پہلے علم کا مقام و مرتبہ طے فرما دیا گیا تھا۔ جب پروردگارِ عالم نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام، جن کا ذکرِ جمیل قرآنِ مجید میں چوبیس (24) مقامات پر نہایت تفصیل سے آیا ہے، کو زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا، تو فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

{إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً}(سورۃ البقرۃ:30)

"میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔"

اس پر فرشتوں نے بشری کمزوریوں اور ارضی فتنوں کے پیشِ نظر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اور عرض گزاری کہ باری تعالیٰ! کیا آپ زمین پر کسی ایسی مخلوق کو آباد فرمائیں گے جو وہاں فساد برپا کرے گی، خون بہائے گی اور انتشار پھیلائے گی؟ حالانکہ ہم آپ کی تسبیح و تقدیس اور پاکی بیان کرنے کے لیے ہمہ وقت سرگرمِ عمل ہیں۔

فرشتوں کے اس تعجب اور اشکال کو دور کرنے اور حضرت آدم علیہ السلام کی سیادت و خلافت کا استحقاق ثابت کرنے کے لیے خالقِ کائنات نے جو معیار قائم فرمایا، وہ کوئی جسمانی برتری، کثرتِ عبادت یا مادی قوت نہیں تھا، بلکہ وہ صرف اور صرف "علم" کا وصفِ خاص تھا۔

فرشتوں پر آدم کی علمی برتری

چنانچہ باری تعالیٰ نے علم کی فضیلت کا ایک عملی مظاہرہ فرمایا۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کی حقیقت اور ان کے ناموں کا علم سکھایا:

{وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا} (البقرہ:31)

اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔

جب یہ علمی تیاری مکمل ہو گئی، تو اللہ رب العزت نے فرشتوں کے سامنے ان چیزوں کو پیش فرمایا اور ان سے سوال کیا کہ اگر تم اپنی عبادت اور تسبیح کے دعوے میں سچے ہو اور خود کو اس خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے ہو، تو ذرا ان اشیاء کے نام اور ان کے پوشیدہ اسرار تو بتاؤ۔ فرشتے اپنی عاجزی اور علم کی کمی کا اعتراف کرتے ہوئے عرض گزار ہوئے:

{سُبْحَانَكَ لا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا}(البقرہ:32)

آپ کی ذات پاک ہے، ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا آپ نے ہمیں دے دیا ہے۔

اس کے بعد خالقِ کائنات نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا:

{يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ}(سورۃ البقرہ:33)

اے آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتا دو۔

حکمِ الٰہی پاتے ہی حضرت آدم علیہ السلام نے ان تمام اشیاء کے نام اور ان کے پوشیدہ

حقائق فرشتوں کے سامنے سلیس انداز میں پیش کر دیے۔ یہ علمی مظاہرہ دیکھ کر فرشتے حیران رہ گئے اور انہوں نے تسلیم کر لیا کہ پروردگار! آپ کا علم اور آپ کا حکمت والا ارادہ ہر قسم کے نقص سے پاک ہے اور خلافتِ ارضی کے لیے علم کی یہ دولت ہی بنیادی معیار ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نوعِ انسانی کی عظمت، فرشتوں پر اس کی فوقیت اور مسجودِ ملائک بننے کا واحد اور حقیقی سبب "علم" ہی تھا۔

مادی علوم کا سراب

عصرِ حاضر میں دو مختلف قسم کے علوم رائج ہیں، جن کا مزاج اور منہج ایک دوسرے سے بالکل جدا ہے۔ پہلا علم وہ ہے جس کا اس مادی دنیا میں ہر طرف غلغلہ اور چرچا ہے، اور لوگ اسے حاصل کرنے میں حد درجہ فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس علم کو مسلم، غیر مسلم، نیک، بد، جاہل اور عالم، غرض کہ ہر طبقے اور نظریے کے لوگ یکساں طور پر حاصل کر رہے ہیں۔ یہ دراصل "مادی علم" ہے، جسے ہم وسائل، اسباب اور طبیعی کائنات کا علم کہہ سکتے ہیں۔

اگرچہ یہ مادی علوم انسانی زندگی کی ظاہری سہولت اور معاشی بقا کے لیے ناگزیر ہیں اور

شریعت کی رو سے ان کی تحصیل میں کوئی حرج نہیں، لیکن علمِ حقیقی کے مقابلے میں ان کی حیثیت محض اسبابِ دنیا کی ہے۔ مادی علوم کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ "جو ظاہر میں دکھائی دیتا ہے، وہی سچ ہے، اور جو نظر نہیں آتا، اس کا کوئی وجود ہی نہیں"۔ اس مادی فکر کا نعرہ ہے کہ حقائق صرف وہی ہیں جو مادی آنکھ سے دیکھے جا سکیں یا تجربے کی کسوٹی پر پورے اتریں۔

مثال کے طور پر، اگر اس مادی معاشرے میں کسی شخص کو عزت دار نوکری یا منصب حاصل کرنا ہو، تو سب سے پہلے اس سے مادی دستاویزات یعنی تعلیمی ڈگریوں اور قابلیت (Qualification) کا تقاضا کیا جاتا ہے۔ گویا وہاں علم کا مادی ثبوت نظر آنا ضروری ہے۔ اس مادی علم کا مرکز اور منبع انسانی "دماغ" ہے، اور دنیا کے تمام مادی سائنسدان اور مفکرین اسی دماغی صلاحیتوں کو نکھارنے پر دن رات محنت کرتے ہیں۔

وحیِ الٰہی کا نورِ مبین

اس مادی علم کے برعکس، ایک دوسرا علم ہے جو مادی آنکھوں سے بظاہر اوجھل اور ناپید نظر آتا ہے۔ یہ "وحیِ الٰہی کا علم" ہے، جسے ہم شرعی اور دینی علم سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس عظیم علم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا کوئی ظاہری مادی ڈھانچہ، رنگ وروپ یا مادی وجود نہیں ہوتا۔ اس کا مرکز انسانی دماغ نہیں بلکہ انسانی "دل" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام نے انسانوں کے دماغوں یا مادی عقل پر محنت کرنے کے بجائے ان کے قلوب پر محنت فرمائی۔ ان کی بعثت کا اولین مقصد دلوں کی صفائی اور ان کا تزکیہ تھا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {وَيُزَكِّيهِمْ}۔

دینی علم کا سب سے پہلا اثاثہ اور حقیقت یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اکیلے ہیں، وحدہٗ لاشریک ہیں، اور ان کا کوئی ہمسر نہیں۔ اگرچہ اللہ رب العزت ظاہری آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتے، لیکن وحیِ الٰہی کا یہ علم انسان کے دل میں ایسا محکم یقین پیدا کر دیتا ہے کہ غیب کی یہ سچائی دنیا کی ہر مادی چیز سے زیادہ حقیقت پسندانہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ یہ علم مادی نظریات پر پہلی کاری ضرب لگاتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں جن کا ظاہری وجود مادی آنکھ سے اوجھل ہے، وہ حقیقت میں کائنات کا سب سے بڑا وجود ہیں۔ اللہ پاک دکھائی نہیں دیتے، مگر وہ اس دھرتی اور کائنات کے خالق اور

سب سے بڑی حقیقت ہیں۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا، جنت اور جہنم کو نہیں دیکھا، لیکن علمِ وحی کی روشنی میں ان تمام غیبی حقائق پر ہمارا غیر متزلزل ایمان ہے۔

یہی وہ نورِ علم ہے جس کی پہلی اینٹ غارِ حرا میں رسول اللہ ﷺ کے قلبِ اطہر پر رکھی گئی، جب ارشاد ہوا:

{اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ}(سورہ علق:1)

(اے پیغمبر!) اپنے اس پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (سب کچھ) پیدا کیا۔

مادی علم اور علمِ وحی کے اس لطیف فرق کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کسی انسان کو ایک عالیشان مکان تعمیر کرنا ہو، تو مادی علم کے ماہرین (انجینئر، آرکیٹیکٹ وغیرہ) اور مادی اسباب (پیسہ اور وسائل) کے ذریعے رنگ ساز، کارپینٹر، الیکٹریشن اور پلمبر اکٹھے ہو جائیں گے اور ایک دیدہ زیب عمارت کھڑی کر دیں گے۔ لیکن اس عالیشان مکان کے بن جانے کے بعد، اس کے اندر بسنے والوں کو حقیقی دلی سکون، اطمینانِ قلب اور باہمی محبت کیسے نصیب ہو گی؟ مادی دنیا اور اس کے تمام علوم کے پاس اس کا کوئی مادی

نسخہ موجود نہیں ہے۔ یہ اطمینان، سکونِ قلب اور جینے کا سچا سلیقہ صرف اور صرف دین کا علم اور وحیِ الٰہی کا نور ہی سکھاتا ہے۔

وسعتِ مکاں اور ضیقِ قلب

انسان بسا اوقات ظاہری دنیوی اسباب کے فریب میں آکر فلک بوس عمارتیں کھڑی کر لیتا ہے اور ان کی دیواروں کو بلند سے بلند تر کر دیتا ہے، مگر مادی آسائشوں کے اس انبار کے باوجود وہ سکون اور دلی اطمینان سے محروم رہتا ہے۔ اس ابدی بے چینی کی سب سے بڑی وجہ دل میں اس نورِ معرفت اور علمِ وحی کی کمی ہے جو حقیقی زندگی کی بنیاد ہے۔

جب معاشرے میں معاشی تنگی اور مالی اضطراب عام ہوتا ہے، تو مادی نظریات کا حامل ایک عام انسان اس کا علاج صرف ظاہری اسباب میں تلاش کرتا ہے۔ وہ مشورہ دیتا ہے کہ سرمایہ کاری بڑھائی جائے، برانڈنگ کو مستحکم کیا جائے اور اسپانسرز (Sponsors) کی خدمات حاصل کی جائیں تاکہ رزق کی فراوانی اور آمدنی میں اضافہ ہو سکے۔ مادی عقل کے نزدیک معیشت کا پہیہ صرف مادی وسائل ہی سے گھوم سکتا ہے۔

اس کے برعکس، جس خوش نصیب کو باری تعالیٰ نے علمِ وحی کے فہم سے نوازا ہو، وہ اس

ظاہری اضطراب کا علاج خالقِ کائنات کی طرف رجوع میں دیکھتا ہے اور کلامِ ربانی کی یہ تلاوت پیش کرتا ہے:

{وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا}

"اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا، تو اس کے لیے بڑی تنگی کی زندگی ہو گی۔" (سورہ طٰہٰ، آیت 124)

یہ علم ہمیں سکھاتا ہے کہ جب تم اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر اور اس کی شریعت سے دوری اختیار کرو گے، تو تمہاری معیشت اور معاش خود بخود تنگی کا شکار ہو جائیں گے۔ اب اگر آپ دنیاوی علوم اور مادی فنون کے کسی بڑے سے بڑے ماہر یا سائنسدان کے پاس یہ نظریہ لے کر جائیں، تو وہ مادی عقل کے محدود دائرے میں مقید ہونے کی وجہ سے اسے تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دے گا، کیونکہ اس کی عقلِ ظاہری یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ اللہ سے دوری کا معاشی اور مالی معاملات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

تسکینِ قلوب اور الٰہی نسخۂ کیمیا

لیکن جس صاحبِ ایمان کے پاس قرآن کا علم موجود ہے، اسے اس حقیقت پر کامل یقین

ہوتا ہے کہ پروردگارِ عالم کا ہر فرمان صد فیصد سچ ہے۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ اگر معاشی تنگی سے نجات پانا اور معیشت کو بہتر بنانا مقصود ہے، تو اللہ رب العزت کا قرب اختیار کرنا ہو گا۔ کائنات کے تمام تصرفات اور غیبی خزانوں کی کنجیاں اسی مالکِ حقیقی کے ہاتھ میں ہیں۔ آسمان و زمین، ارض و سما اور جو کچھ ان کے درمیان پایا جاتا ہے، سب اسی کی ملکیت ہے۔ وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے دائرہ تنگ کر دیتا ہے:

{إِنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ}

"یقیناً اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے، اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔"

اسی طرح جب کوئی شخص مصائب و آلام اور ذہنی پریشانیوں کا شکار ہو کر کسی دنیاوی عقل مند سے رجوع کرتا ہے، تو وہ اسے ماہرِ نفسیات کے پاس جانے اور مختلف ادویات استعمال کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ لیکن انبیاءِ کرام علیہم السلام کا سکھایا ہوا علم مادی فکر سے بالکل منفرد اور ممتاز ہے۔ وہ انسان کو ہر پریشانی کے وقت مادی علاج کے ساتھ ساتھ غیبی

مدد کے ابدی نسخے کی طرف متوجہ کرتا ہے:

{وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ }(البقرہ:45)

"اور صبر اور نماز کے ذریعے مدد چاہو۔"

اب اگر یہی روحانی حل کسی مادی سوچ کے حامل شخص کو بتایا جائے کہ تمہاری پریشانیوں کا حل بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری اور عاجزی کے ساتھ دعا مانگنے میں ہے، تو وہ اس غیبی تعلق کا مذاق اڑاتا ہے اور حیرت سے کہتا ہے کہ بھلا دعا کرنے سے معاشی یا جسمانی تکالیف کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ لیکن علمِ وحی سکھاتا ہے کہ مصائب کا رخ پھیرنے کا اصل سبب اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے حقیقی ربط قائم کرنا ہی ہے۔

مادی معالجہ اور روحانی شفا

جب گھر میں کوئی فرد بیمار ہو، تو مادی عقل کا تقاضا ہوتا ہے کہ اسے مہنگے ترین اسپتالوں جیسے آغا خان یا ضیاء الدین لے جایا جائے اور بھاری فیسیں دے کر نامور اسپیشلسٹ ڈاکٹروں سے رجوع کیا جائے تاکہ وہ تگڑی دوائیں تجویز کریں اور مریض شفایاب ہو سکے۔ بلاشبہ ظاہری اسباب کے تحت علاج کرنا سنت ہے، لیکن دینِ مبین کا علم مادی فکر

سے بہت آگے کی حقیقت آشکار کرتا ہے جو عام انسانی عقل کی رسائی سے باہر ہے۔

چونکہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی پوری محنت انسانی عقل کے بجائے دل پر ہوتی ہے، اس لیے ان کی تعلیمات بسا اوقات عقلِ ظاہری کو عجیب لگتی ہیں۔ اسی تناظر میں رسول اللہ ﷺ نے شفایابی کا ایک غیبی نسخہ ارشاد فرمایا:

"دَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ "(المعجم الکبیر للطبرانی، شعب الایمان للبیہقی)

"صدقہ کے ذریعہ اپنے مریضوں کا علاج کرو"

مادی علوم کا ماہر کبھی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ گھر میں موجود کسی مریض کا علاج صدقہ و خیرات کرنے سے کیسے ممکن ہے۔ لیکن علمِ وحی اسی حقیقت کی تصدیق کرتا ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان سے بڑھ کر کائنات میں کوئی بات سچی نہیں ہو سکتی۔

مادی حساب بمقابلہ الٰہی حساب

اس مادی علم اور غیبی علم کے مابین فرق کو ریاضی کے ایک سادہ موازنے سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اگر کسی شخص کی جیب میں ایک ہزار روپے ہوں اور وہ ان میں سے سو روپے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے، تو دنیا کے مادی ریاضی اور حساب کے مطابق اس کے پاس

نو سو روپے بچیں گے۔ اگر وہ بینک سے رابطہ کرے، موبائل ایپلی کیشن کو دیکھے، کیلکولیٹر پر حساب لگائے یا دوستوں سے پوچھے، تو سب یہی گواہی دیں گے کہ رقم کم ہو کر نو سو رہ گئی ہے۔ لیکن قرآنِ مجید کا فیصلہ اس دنیاوی حساب کے بالکل برعکس ہے:

{يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ}(البقرہ:276)

"اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ صدقات میں برکت اور اضافہ فرماتا ہے۔ کلامِ الٰہی ہمیں متنبہ کرتا ہے کہ نو سو روپے کا نظر آنا دراصل تمہاری ظاہری آنکھ کا فریب، عقل کا وہم اور دماغ کا دھوکہ ہے۔ اللہ کی راہ میں دیا جانے والا مال کبھی کم نہیں ہوتا بلکہ وہ باطنی برکت کے تحت مسلسل بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا ادراک تبھی ممکن ہے جب انسان کا دل درست ہو، کیونکہ انبیاء کی دعوت کا مرکز یہی دل ہے۔

حقیقی قوت اور شجاعت کا نبوی معیار

ایک اور مثال پر غور فرمایئے؛ اگر عام معاشرے میں یہ سوال پوچھا جائے کہ سب سے بہادر اور طاقتور پہلوان کون ہے؟ تو دنیوی اکھاڑے اور کھیل کے قوانین کے مطابق

جواب یہی ہو گا کہ جو کشتی کے میدان میں اترے اور اپنے مد مقابل کو پچھاڑ کر چت کر دے، وہی بہادر ہے۔ دنیا کا مادی پیمانہ اسی جسمانی قوت کو طاقت مانتا ہے۔ لیکن شریعتِ مطہرہ کی نظر میں بہادری کا یہ تصور بالکل جدا ہے۔

مسلم شریف کی صحیح حدیث میں مروی ہے کہ حضور نبیِ اکرم ﷺ نے صحابہِ کرام سے استفسار فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ پہلوان کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں، پہلوان وہ ہے جو اکھاڑے میں مدِ مقابل کو پچھاڑ دے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ" (صحیح مسلم/کتاب البر والصلة والآداب/حدیث:6644)

یعنی حقیقی طاقتور اور پہلوان وہ نہیں جو مادی طاقت کے بل بوتے پر لوگوں کو اکھاڑے میں چت کر دے، بلکہ اصل بہادر وہ شخص ہے جو غصے کے طوفان میں اپنے نفس پر قابو پا لے۔ یہ وہ علمِ حقیقت ہے جو مادی قوت کے نظریے کو اخلاقی اور روحانی عظمت میں تبدیل کر دیتا ہے۔

دنیا کے کسی کافر یا مادی نظریے کو اس سچائی کی بھنک تک نہیں مل سکتی، کیونکہ وحیِ الٰہی کا یہ پاکیزہ علم وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں انسانوں کی مادی عقلیں اور دنیاوی عقل و دانش ختم ہو جاتی ہے۔

علم کی حقیقی ماہیت اور اس کے دائرۂ کار کو سمجھنا انسانی زندگی کے فکری ارتقاء کے لیے انتہائی ناگزیر ہے۔ حقیقتِ امر یہ ہے کہ اسلامی نظریہ حیات کی رو سے حقیقی علم صرف اور صرف وحیِ الٰہی یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کا علم ہے، یا پھر وہ علوم جو براہِ راست قرآن و سنت کے عمیق فہم اور ان کی تفہیم و تشریح تک رسائی کا مستقل ذریعہ بنتے ہیں۔ اس کے برعکس مروجہ دور کے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں سکھائے جانے والے عصری و دنیاوی علوم کو خالص شرعی اصطلاح میں "علم" کے بجائے دنیاوی "فنون" یا "معلومات (Information) " سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بلاشبہ شریعتِ مطہرہ ان عصری علوم و فنون کے حصول پر کوئی قدغن یا ممانعت عائد نہیں کرتی، بلکہ تمدنی اور معاشرتی ضروریات کے پیشِ نظر ان کی اہمیت کو تسلیم کرتی ہے۔ اس علمی و معاشی توازن کے حوالے سے مفسرِ قرآن علامہ سید محمد یوسف بنوری

رحمہ اللہ نے اپنے مایۂ ناز ماہنامہ "البینات" میں ایک نہایت معرکہ آرا اور بصیرت انگیز نکتہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر بالفرض دنیا کے تمام مسلمان اس بات پر متفق ہو جائیں کہ وہ صرف اور صرف علومِ دین ہی حاصل کریں گے اور سب کے سب عالم بن جائیں گے، تو ایسی صورت میں معاشرے کے لیے طبیب اور معالج بننا فرضِ عین کا درجہ اختیار کر لے گا۔ کیونکہ جب ان علمائے کرام کو کوئی جسمانی عارضہ یا بیماری لاحق ہو گی، تو معالج کی عدم دستیابی کی صورت میں جانی نقصانات کا قوی اندیشہ ہو گا اور انسانی جانوں کے تحفظ کے لیے کوئی تدبیر باقی نہ رہے گی۔ (مستند اسلامی کتب مثلاً امام غزالی رحمہ اللہ کی 'احیاء العلوم' میں بھی اس بات کی تائید ملتی ہے کہ طب اور حساب جیسے علوم معاشرتی ضرورت کے تحت فرضِ کفایہ کا درجہ رکھتے ہیں)۔ لہذا، دنیاوی فنون انسانی زندگی کے تمدنی نظام کو قائم رکھنے کے لیے ناگزیر ہیں، تاہم کائناتی فضیلت اور اخروی عظمت صرف وحیِ الٰہی اور علمِ دین کے لیے ہی خاص ہے۔

حقیقی علم اور مادی فنون

اس پاکیزہ علمِ الٰہی کا تمام تر مدار وحیِ سماوی پر ہے، جس میں قرآنِ مجید کی تفسیر، حدیثِ

نبوی کا فہم اور ان کے معاون و ممد علوم جیسے عربی زبان کے قواعد، صرف و نحو اور گرامر وغیرہ کی تحصیل شامل ہے، تاکہ کلامِ الٰہی کی روح کو اس کے اصل مفہوم کے مطابق سمجھا جاسکے۔

ماضیِ قریب و بعید میں ہمارے اسلاف اور اکابرین اسی علمِ وحی کی جستجو میں کٹھن، پر مشقت اور طویل سفر خوشی سے اختیار کیا کرتے تھے، اور ان کے یہ پاکیزہ سفر بارگاہِ الٰہی میں اس قدر عظمت و مقبولیت کے حامل تھے کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ حصولِ علمِ دین کی اس غیر معمولی عظمت و رفعت کو اجاگر کرتے ہوئے رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ "(سنن ترمذي/كتاب العلم/حديث:2646)

جو علم حاصل کرنے کے ارادہ سے کہیں جائے، تو اللہ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان (وہموار) کر دیتا ہے

اس نوری راستے کے مسافروں کے لیے نوری مخلوق یعنی ملائکۃ الرحمن کی جانب سے جو

بے مثال اعزاز اور مرتبہ مقرر کیا گیا ہے، اس کا تذکرہ حدیثِ پاک میں ان مبارک الفاظ کے ساتھ وارد ہوا ہے:

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا يَطْلُبُ-(مسند احمد/أول مسند الكوفيين/حديث: 18089)

اللہ کے فرشتے طالب علم کے لئے "طلب علم پر خوشی ظاہر کرتے ہوئے" اپنے پر بچھا دیتے ہیں پھر پوری حدیث ذکر کی۔

فرشتوں کے پر اور نوری اعزاز

یہ فرمانِ عالی شان کوئی مبالغہ آرائی یا محض خیالی استعارہ نہیں ہے، یہ ایک کامل اور مجسم سچائی ہے۔ دار العلوم دیوبند کے سابق امام مولانا عبد الغنی غزنوی رحمہ اللہ نے اپنے اساتذہ کے واسطے سے ایک نہایت عبرت انگیز سچا واقعہ نقل فرمایا کہ ایک علمی مجلس میں جب ایک جلیل القدر استاد نے فرشتوں کے پر بچھانے کی یہ مبارک حدیث پڑھائی، تو وہاں موجود ایک نادان طالبِ علم نے اسے محض ایک تشبیہ اور استعارہ سمجھتے ہوئے طنزیہ طور پر اپنے پاؤں کو زمین پر زور سے پٹخا اور تمسخر کے انداز میں کہنے لگا کہ دیکھو!

میں فرشتوں کے پروں پر پاؤں مار رہا ہوں۔ اسی لمحے، رسول اللہ ﷺ کے فرمانِ مبارک کا مذاق اڑانے اور اس گستاخی کی فوری پاداش میں اس طالبِ علم کے پاؤں پر فالج کا شدید حملہ ہو گیا۔ یہ واقعہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مخبرِ صادق ﷺ کا یہ ارشاد مبارک کوئی محض فرضی بات نہیں بلکہ ایک حتمی اور عینی حقیقت ہے۔

جب ایک مخلص طالبِ علم اپنی نیت کو پاکیزہ رکھ کر، اپنی ذاتی اصلاح اور اللہ کے آخری پیغام کو عام کرنے کی سچی تڑپ کے ساتھ گھر سے نکلتا ہے، تو نوری فرشتے اس کے استقبال کے لیے غایت درجے کی محبت، تعظیم اور شفقت کے ساتھ اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ صرف یہی نہیں، بلکہ پوری کائنات کی مادی و غیر مادی مخلوقات اس کے حق میں مغفرت اور بلندیِ درجات کی دعا میں مصروف ہو جاتی ہیں، جیسا کہ روایت میں مذکور ہے:

وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْمَاءِ (سنن ابن ماجه)

طلبِ علم اور موتِ شہادت

علمِ دین کی تحصیل اس قدر مبارک، فضیلت مآب اور رفیع الشان عمل ہے کہ اس مقدس راہ میں آنے والی موت کو شریعتِ اسلامی نے شہادت کے عظیم الشان مرتبے سے سرفراز فرمایا ہے۔ ہر سچے صاحبِ ایمان کے دل میں یہ دلی تمنا موجزن ہوتی ہے کہ کاش اسے شہادت کا پاکیزہ جام نصیب ہو، اور اسی تڑپ کے تحت امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہمہ وقت یہ التجا کیا کرتے تھے:

اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ

شہادت کے مراتب و درجات میں سب سے نمایاں اور بلند ترین درجہ بلاشبہ اس مجاہدِ راہِ خدا کا ہے جو میدانِ کارزار میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی، شہادت کا ایک نہایت معتبر اور مبارک حصہ اس شخص کے مقدر میں بھی لکھ دیا جاتا ہے جو دینِ حق کے علم کو پانے اور اسے سیکھنے کے سفر میں مگن ہو اور اسی علمی مشغلے کے دوران اسے موت آ جائے۔ معتبر علمائے کرام اس حقیقت کی

توثیق کرتے ہیں کہ حصولِ علم کی پاکیزہ راہ میں دم توڑنے والا اللہ رب العزت کی بارگاہ میں شہید کا دائمی مقام حاصل کرتا ہے۔

شاہراہِ شہادت اور طالبِ علمی کی نیت

ایک مرتبہ ہمارے ایک جلیل القدر امام اور مقتدر شیخ نے ہم سے ایک نہایت پتے کی بات پوچھی۔ انہوں نے دریافت فرمایا: "کیا تم شہادت کی موت کے آرزومند ہو؟" ہم نے عرض کیا: "حضرت! بھلا شہادت کی موت کا کون تمنائی نہیں ہو گا! انبیاء اور صدیقین کے بعد مخلوق کے لیے اس سے بڑھ کر بہترین اور قابلِ رشک موت کوئی دوسری نہیں ہو سکتی۔"

تب انہوں نے ایک انتہائی خوبصورت اور بیش قیمت نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر واقعی شہادت کے مرتبے کے سچے خواہش مند ہو، تو اپنے دل میں ہمیشہ یہ نیت رکھو کہ مجھے زندگی بھر ایک 'طالبِ علم' بن کر جینا ہے۔ جب یہ نیت دل میں راسخ ہو جائے گی، تو زندگی کے کسی بھی موڑ پر آنے والی موت تمہیں طالبِ علمی ہی کی حالت میں پائے گی، اور یوں تمہیں ان شاء اللہ شہادت کا رتبہ حاصل ہو گا۔

مستند اسلامی کتب اور احادیثِ مبارکہ میں اس نیت کی فضیلت پر واضح دلالت ملتی ہے، جیسا کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى يَرْجِعَ

"جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلے تو وہ لوٹنے تک اللہ کی راہ میں (شمار) ہو گا" (سنن ترمذي / كتاب العلم / حديث: 2647)

یہ ایک ایسا بہترین نسخہ ہے کہ انسان ہر لمحہ دین کو سیکھنے اور اس پر کاربند رہنے کی جستجو میں مگن رہ کر غازی اور شہید کا درجہ پا سکتا ہے۔

دنیا کی بے وقعتی اور عطا کا الٰہی معیار

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ہم نے اپنی زندگیوں کا ایک بڑا حصہ دنیاوی علوم و فنون کو سیکھنے میں صرف کر دیا ہے، اور اس دنیاوی تعلیم کی اپنی جگہ اہمیت بھی ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ لیکن یہ بنیادی سچائی ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ پروردگارِ عالم دنیاوی مال و متاع اور اسبابِ زندگی ہر اچھے اور برے انسان کو عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ رب العزت کے ہاں دنیا دینے کا کوئی ایسا خاص معیار نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے مقبول

بندوں ہی کو اس سے نوازے۔

حتیٰ کہ حدیثِ مبارک کی رو سے دنیا کی بے وقعتی کا یہ عالم ہے:

لَوْ كانتِ الدُّنيا تَعْدِلُ عندَ اللهِ جناحَ بعوضةٍ مَا سقَى كافِراً منها شَرْبَةَ ماءٍ."(سنن الترمذي، أبواب الزهد، باب ما جاء في هوان الدنيا على الله عز وجل، 560/4، رقم:2320،)

گر اللہ تعالی کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پَر کے برابر ہوتی تو اللہ تعالی کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی نہ پلاتے"۔

اس مادی کائنات کی اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوئی حقیقی حیثیت ہی نہیں ہے، اسی لیے یہ ہر نیک و بد کو کثرت سے مل جاتی ہے؛ تاہم دین کا سچا فہم اور اس کا نورِ علم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ یہ عظیم الشان نعمت صرف اسی کا مقدر بنتی ہے جو سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اپنے اندر اس پاکیزہ علم کی سچی تڑپ، تڑپ کر مانگنے کی جستجو اور اخلاص پیدا کرتا ہے۔

مقصودِ حقیقی اور طفیلی فوائد

ہم اپنی آنکھوں سے روزمرہ کی زندگی میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جس خوش نصیب انسان کو دین کی سچی دولت مل جائے، دنیا اس کے قدموں میں خود بخود سمٹ آتی ہے۔ اس مادی اور روحانی توازن کو ایک نہایت سادہ اور عقلی مثال سے سمجھیے؛ اگر میں کسی سے یہ کہوں کہ میرے لیے پینے کا پانی لے آؤ، تو وہ پانی اپنے ہاتھوں یا چلو میں بھر کر نہیں لائے گا، بلکہ یقیناً ایک خوبصورت گلاس میں ڈال کر لائے گا۔ گویا ہم نے تو صرف پانی کا تقاضا کیا تھا، مگر پانی کو لانے والا ظرف یعنی گلاس ہمیں طفیلی طور پر خود بخود حاصل ہو گیا۔

بعینہ یہی معاملہ دین اور دنیا کا ہے؛ جو بندہ اللہ رب العزت سے سچے دل سے دین کا طالب رہتا ہے، اسے دنیا بغیر مانگے ہی میسر آجاتی ہے، کیونکہ دین پر عمل کرنے کا حقیقی میدان تو اسی مادی دنیا میں قائم ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ ابدی سنت رہی ہے کہ وہ دنیاوی اسباب اپنے نافرمانوں کو بھی کثرت سے عطا فرماتا ہے، لیکن دین کا سچا نور صرف اپنے پسندیدہ بندوں کے حصے میں

لکھتا ہے۔ ایک دور وہ تھا جب ہمارے اسلاف علمِ دین کی پیاس بجھانے کے لیے مہینوں اور سالوں کٹھن اور پر مشقت سفر طے کیا کرتے تھے۔ مگر یہ ہمارے لیے کس قدر خوش قسمتی اور مسرت کی بات ہے کہ آج ہمارے اپنے ہی وطن میں جلیل القدر مدارس پکار پکار کر علمِ دین حاصل کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ مدارس میں جا کر علم سیکھنا تو اپنی جگہ ایک مبارک ترین راستہ ہے ہی، لیکن اس سے بھی بڑھ کر بڑی خوشخبری یہ ہے کہ آج کل مقامی مساجد میں دین کا علم سکھانے کے انتہائی آسان اور سہل کورسز جاری ہیں۔ ان مساجد میں جاری تعلیمی کورسز کے اوقات بھی اس قدر موزوں اور آسان رکھے جاتے ہیں کہ ہر شعبہِ زندگی سے تعلق رکھنے والا اور گوناگوں مصروفیات میں گھرا انسان بھی اس سے بہ آسانی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ہمیں اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت خود کے سیکھنے کے لیے نکالنا چاہئے تاکہ ہماری زندگیاں سنور سکیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری ان کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشے اور ہمیں دین کے فہم پر عمل پیرا ہونے کی توفیقِ کامل عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ